مولانا محمد اسلم شیخوپوری

مولانا سید ابوذر بخاری رحمہ اللہ.....ایک حق گو عالم دین

اس میں شک نہیں کہ حضرت مولانا ابوذر بخاری شاہ صاحب رحمہ اللہ ایک بہت بڑے انسان کے بیٹے تھے۔انہوں نے اپنے عظیم باپ حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ کی عظیم روایات کو بھی خوب اچھی طرح نبھایا لیکن ان کا اعزاز واکرام محض ایک بڑے باپ کے بیٹا ہونے کی وجہ سے نہیں تھا بلکہ ان کے ذاتی کمالات، انسانی اخلاق، وسیع مطالعہ اور اسلامی صفات بھی ایسے تھے کہ ان کے دشمن بھی ان کے احترام پر اپنے آپ کو مجبور پاتے تھے۔

شعر وادب، تصنیف وتالیف، وعظ وخطابت، درس وتدریس اور تعلیم وتربیت جیسے بظاہر متضاد شعبوں میں وہ یکساں مہارت رکھتے تھے، ان کی پچاس کے قریب تصانیف ان کے علم وقلم کی میراث کے طور پر ہمیشہ ان کی یادوں کو تازہ رکھیں گی۔

مجلس احرار اسلام کے ساتھ ان کا تعلق اتنا شدید تھا کہ بسا اوقات دوسرے تعلقات اس کے مقابلے میں ماند پڑ جاتے تھے۔وہ سات برس تک مجلس احرار کے امیر رہے۔قادیانیوں کے مرکز چناب نگر (ربوہ) میں پہلی بار انہوں نے جمعہ کا اجتماع منعقد کیا اور وہاں مسلمانوں کی پہلی مسجد ''جامع مسجد احرار'' کی بنیاد رکھی۔

دفاع صحابہ کے سلسلے میں بھی ان کی خدمات قابل رشک ہیں۔صحابہ رضی اللہ عنہم کے بارے میں وہ کسی قسم کی رواداری کے قائل نہ تھے انہیں فنافی الصحابہ کا لقب دینا یقیناً مبالغے سے خالی ہوگا۔مذہب، تاریخ، ملک اور سیاست کے حوالے سے جس بات کو وہ حق سمجھتے تھے اسے ڈنکے کی چوٹ پر لگی لپٹی رکھے بغیر بیان کر دیتے۔اکابر کا احترام، بزرگوں کے فرمودات، معاصرین کی آراء مخالفین کی غوغا آرائی، دشمنوں کی ژاژ خائی اور قید وبند کا خوف انہیں اپنی رائے کے اظہار اور حق کے بیان سے باز نہیں رکھ سکتے تھے۔

لاکھوں کے مجمع اور جبہ ودستار کی ہمہ گیر بہار میں بھی اگر کوئی بات خلاف حقیقت کہی جاتی تو وہ اس کی تردید میں لمحہ بھر توقف نہیں کرتے تھے، رسمی قسم کے آداب محفل اور زمانہ سازی کا خیال ان کی زبان پر قدغن نہیں لگا سکتا تھا۔آج جب کہ ''جمہوریت'' کا مرض عوام تو عوام، خواص تک کو لاحق ہو چکا ہے اور بڑے سے بڑے مدعیان دین بھی جمہوریت کی تنکنائے سے اسلامی انقلاب کی آمد کی امیدیں لگائے بیٹھے ہیں اور اپنی ساری توانائیاں اسی مغرب زادی کے کاکل ورخسار کی تزئین و آرائش کے لیے وقف کئے ہوئے ہیں۔جمہوریت زدگی کے اس ماحول میں انہوں نے دوٹوک الفاظ میں اس کی تردید کی اور برسرعام کہا:

''بعض فریب خوردہ علماء اور جماعتیں برسوں تک ہماری غریب جماعت مجلس احرار اسلام کا حسب سابق مذاق اڑاتے رہے اور ہمارے ساتھ اس بحث میں مصروف رہے کہ آپ پہلے جمہوریت بحال کرالیں پھر اسلام آجائے گا۔ میں آج بھی کہتا ہوں کہ اسلام کو جمہوریت کی چادر میں لپیٹ کر لانے والو! تم نے دس سال تک جمہوریت کے نام پر اسلام کو رسوا کیا، اسلام نہیں آیا۔ پھر دس سال تک جمہوریت کو ڈکٹیٹرشپ کی گود میں پالنے والوں نے ڈکٹیٹری کا بیوپار کیا۔ جمہوریت تو نہ آئی مگر ڈکٹیٹرشپ آگئی۔ پھر ڈکٹیٹرشپ کو ہٹانے کے لیے ایک اور ڈکٹیٹر آگیا۔ صدارت بھی گئی اور جمہوریت بھی، اسلام پھر یتیم اور مظلوم!

بدنصیب ہیں وہ علماء، وہ دینی جماعتیں اور ان کے سیاسی لیڈر جو اسلام کی بجائے جمہوریت کا پرچم اٹھائے قیادت کا راگ الاپتے رہے لیکن مسلمانوں کی قدر مشترک، اجتماعیت کے نشان اور مرکزیت کی علامت، ختم نبوت کے لیے ان کو اکٹھا ہونا یاد نہ رہا۔ آج وہ اپنی آنکھوں سے جمہوریت کا حشر دیکھ چکے۔ انہوں نے پہلے جمہوریت کے نام پر اسلام کو برباد کیا، پھر ڈکٹیٹرشپ آئی اور ڈکٹیٹرشپ کے بعد اب پھر جمہوریت کا راگ الاپا جارہا ہے۔

آج سن لو! جب تک اسلام کو اسلام کے نام سے نہیں لایا جائے گا، اسلام نہیں آئے گا۔ اسلام کفر کے سہاروں کا محتاج نہیں۔ کوئی کافرانہ جمہوریت، مریکی صدارتی نظام، برطانوی پارلیمانی نظام، کسی ماؤ، لینن وسٹالن کا کفریہ نظام سوشلزم اور کمیونزم' اسلام کو نہیں لاسکتا۔ اسلام اپنے نام سے آئے گا اور کفر اپنے نام سے۔ جب تک اس سیاسی ناٹک اور فریب کا پردہ چاک نہیں کیا جائیگا، مداریوں کی ان پٹاریوں کو کھول کر عوام کے سامنے عریاں نہیں کیا جائیگا، جب تک آپ کی قوت فکر وعمل ایک نہیں ہوگی، تمام مکاتب فکر اسلام کے دستور پر اکٹھے نہیں ہوں گے' اسلام نہیں آئے گا۔'' (خطاب شرکاء جلوس احرار کانفرنس چنیوٹ، ۲۴ مارچ ۱۹۷۲ء)

اپنے ایک دوسرے خطاب میں انہوں نے ان لوگوں کی تردید فرمائی ہے جو جمہوریت اور جمہوریت کے بانی افلاطون اور ارسطو کو انسانی حقوق کا علمبردار بتاتے ہیں۔ انہوں نے حاصل پور میں خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''آج پھر دین حق پر کفر آمیز تنقید کی وباء پھوٹ پڑی ہے۔ ازلی وابدی سچائیوں کی تردید کا طاعون پھیل گیا ہے۔ خلاف شریعت عقائد ونظریات کی توپیں چل رہی ہیں۔ پھر وہی زبان بولی جارہی ہے، علماء کی عزت کو چیلنج ہورہا ہے۔ پھر پیغمبر علیہ السلام کی عزت پر حرف آرہا ہے، قرآن کی غلط تفسیریں ہورہی ہیں، ناپاک جمہوریت کو اسلامی نظام پر ترجیح دی جارہی ہے اور افلاطون کو انسانی حقوق کا علمبردار بتایا جارہا ہے۔

میں کہتا ہوں! کائنات میں اس سے بدترین جھوٹ کوئی نہیں۔ یہ پیغمبروں کی پوری جماعت پر تہمت ہے۔ وہ افلاطون جو اپنے ایمان کی ضمانت نہیں دے سکتا، وہ دنیا کو سب سے پہلے انسانی حقوق سے کیسے آشنا کرسکتا ہے؟ اگر اللہ کی مخلوق کو پہلی مرتبہ اس کے حقوق سے آشنا کرنے والا افلاطون یا اس کا بدمعاش شاگرد ارسطو ہے تو پھر انبیاء علیہم السلام کس لیے بھیجے گئے؟ وہ دنیا میں کیا کرنے آئے تھے، جب سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے ساری کائنات کو اللہ کی طرف سے دیئے ہوئے عوامی حقوق سے آشنا کرایا، اس وقت جمہوریت کے کسی بابا جان کا عالم ارواح میں

بھی وجود نہیں تھا۔ کائنات میں ایسا کوئی زمانہ نہیں گزرا کہ جب اللہ تعالیٰ کا کوئی نہ کوئی نبی اور رسول خطۂ زمین پر بسنے والے عوام کو ان کے حقوق نہ بتا رہا ہو اور انہیں ان کی پامال زندگی سے اٹھا کر انسانیت کے مرتبہ پر فائز نہ کرتا رہا ہو۔'' (۲ مارچ ۱۹۸۲ء)

مروجہ جمہوریت کی مخالفت کرنے پر بھی کئی جمہوری علماء ان سے کھینچے کھینچے سے رہتے تھے مگر وہ اس باپ کے بیٹے تھے جس نے کبھی اقتدار کے ماتھے کی شکنوں کی پروانہ کی تو یہ اپنے معاصرین کی خفگی کی کیسے پرواہ کرتے؟

حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نور اللہ مرقدہ نے اپنے اس بیٹے کی خاص طور پر تربیت کی تھی اور آپ نے زمانۂ طفولیت کے بعد شباب کی دہلیز پر ان کی موجودگی میں قدم رکھا تھا، تعلیمی زندگی کے بعد عملی زندگی کا آغاز بھی اپنے عظیم المرتبت والد کی حیات میں کر دیا تھا۔ انہیں اساتذہ بھی ایسے میسر آئے جو ہیرے کی تراش خراش اور اس کے حُسن کو نکھارنے کے فن کے ماہر تھے۔ مخدوم العلماء حضرت مولانا خیر محمد جالندھری رحمہ اللہ کے بارے میں تو یہ ثقہ روایت ہے کہ جب حضرت بخاری رحمہ اللہ اپنے اس بیٹے کو تعلیم کی غرض سے ان کی خدمت میں لے گئے تو انہوں نے فرمایا کہ

''ہم میاں بیوی نے تو اللہ سے مانگ کر آپ کا یہ بیٹا لیا ہے یہ کہیں نہیں جا سکتا''

واقعی وہ دور ایسا تھا جب اساتذہ سکوت نیم شب میں عجز و انکساری کی تصویر بن کر اللہ سے باصلاحیت شاگرد مانگا کرتے تھے اور جب خوش قسمتی سے ایسے تلامذہ انہیں میسر آ جاتے تھے تو وہ خونِ جگر سے ان نوخیز پودوں کو یوں سینچا کرتے تھے کہ ان کی شاخِ زندگی پر علم و عمل کے رنگا رنگ پھولوں کی پھبن دیکھنے والی آنکھوں کو خیرہ کر دیتی تھی اور چمن ان کی بُوئے جانفزا سے معطر ہو جاتا تھا۔ مولانا سید ابوذر بخاری خوش قسمت تھے کہ انہیں ایک خدا رسیدہ باپ کی محبت و شفقت بھی میسر آئی اور معرفت چشیدہ استاد کی تعلیم و تربیت بھی۔ انہوں نے حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری نور اللہ مرقدہٗ جیسے شیخ کی صحبت میں رہ کر تصوف و سلوک کی منازل طے کیں اور خلعت خلافت سے بھی سرفراز ہوئے۔ اسی تعلیم و تربیت کا نتیجہ تھا کہ وہ علم و عمل کے کسی شعبے میں بھی کسی سے پیچھے نہ رہے، ان کی خدمات کا دائرہ صحافت سے خطابت تک، شاعری سے نثر نگاری تک، منبر و محراب سے جلسہ و اسٹیج تک، ردِّ رفض سے ردِّ قادیانیت تک پھیلا ہوا ہے۔ آج جبکہ ان کے متعلقین ایک شعلہ بیان مقرر، حق گو عالم دین، بے باک صحافی، تاریخ کے مدوجزر پر گہری نظر رکھنے والے مؤرخ، شب بیدار عابد زاہد، رفض و قادیانیت کے لیے شمشیر برہنہ کی یاد میں سوگوار ہیں، نہ معلوم کیوں اس ناقص کے دل میں رہ رہ کر یہ ہوک اٹھتی ہے کہ افسوس مغربی جمہوریت اور جمہوریت زدوں کے خلاف جہاد مسلسل کرنے والا ایک عظیم مجاہد نہ رہا۔ قائد احرار، جانشین امیر شریعت کو ہم سے رخصت ہوئے دس برس بیت گئے ہیں مگر ان کا نعم البدل کوئی نہیں۔ انہوں نے تقریباً ستر برس عمر پائی۔ ۲۴/اکتوبر ۱۹۹۵ء کو ملتان میں انتقال ہوا اور اپنے عظیم باپ کے پہلو میں آسودۂ خاک ہوئے۔